© rasailojaraid.com

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی۔ ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ مکرمہ

یہ انسانیت کے نام نہاد غم خوار

یورپ اور امریکہ میں بسنے والی سفید اقوام کو اصرار ہے کہ ان کو انسانیت کا ہمدرد اور انسانوں کا غم خوار سمجھا جائے۔ انسان تو انسان ہیں ان نرم دل، نرم خو اور شریف النفس افراد کو ان جانوروں پر بھی رحم آتا ہے جن پر زیادتی کی جائے۔ ایک بین الاقوامی تنظیم انہوں نے اسی نام پر قائم کی ہے۔ کہ کوئی بے زبان جانوروں کو گزند نہ پہنچائے ۱۹۶۷ء میں جب روس نے خلا میں "مصنوعی چاند" کا تجربہ کیا اس میں یہ تجربہ کرنے کے لئے کہ جان دار مخلوق کتنی دیر زندہ رہ سکتی ہے ایک کتیا پہلے بھیجی تھی جس کا نام انہوں نے لائکہ رکھا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسی حقوق حیوان کی تنظیم کی طرف سے سخت احتجاج کیا گیا تھا۔

اسلام سے ان رحم دل افراد کو اسی لئے نفرت ہے کہ یہ اور اس کے پیرو اس زمانہ میں بھی امن و امان قائم رکھنے کے لئے چور کا ہاتھ کاٹنا حکم خداوندی سمجھتے ہیں۔ نسلِ انسانی کو مسخ کرنے والے جرائم (زنا) پر حد جاری کرنے کو کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل کر دو اس سے دوسرے بے گناہ افراد کی جان بچے گی۔ اور ہزاروں کو پُرامن زندگی گذارنے کا موقع ملے گا۔ یورپ و امریکہ کی ان سفید اقوام کے پیچھے پیچھے، یا آگے آگے مشرقی ممالک کے یہودی بھی ہیں۔

پیچھے پیچھے اس لئے کہ اقتدار رکھنے والے حکمرانوں کے یہ وکیل اور ایجنٹ ہیں۔ اور آگے آگے اس لئے کہ پروپیگنڈہ کے وسائل ان کی تحویل میں ہیں۔ ان کو ایک شوشہ مل جائے پھر دیکھئے اس سے کتنے دفتر تیار کر دیتے ہیں۔ ایک رائی مل جائے اس سے پربت بنالیں۔ اور کچھ نہ ملے جب بھی یہ اتنے چابک دست ہیں کہ روشنی کے منارے کو کال کوٹھری ثابت کر سکتے ہیں، جگ مگانے والے سورج کو اپنے دل سے زیادہ تاریک دکھا سکتے ہیں۔

آئیے آج ذرا قریب آکر ان کی رحمدلی کی حقیقت کا ایک ہلکا اور بالکل سرسری جائزہ لیا جائے۔ ان کے چہرے پر جو تہذیب و ثقافت کی گہری نقاب پڑی ہے۔ ذرا ناخن کی انگلیوں سے اس کو سرکایئے اور دیکھئے یہ رحم دل، رحم پرور، رحم کے قاری کون ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ۱۶۱۹ء کا واقعہ ہے۔

راوی لکھتا ہے، راوی بھی کون؟ میرا نہیں، ان کا، اور خاص الخاص ان کی گوروں کا پلا۔ ابراہام لنکولن (امریکہ کا صدر جس کو ۱۸۶۵ء میں کسی نے ہلاک کر دیا تھا) کا سوانح نگار پیریامی جورج۔

بلجیم کے بحری بیڑے کا ایک جہاز جس وقت جیمس ٹاؤن (JAMES TOWN) کے ساحل پر آکر لنگر انداز ہوا تو معلوم ہوا کہ جہاز کے لئے رسد و خوراک کا سامان ختم ہو چکا ہے۔ کپتانوں کے لئے شراب کی بوتلیں بھی باقی نہیں ہیں۔ دوسری طرف زرمبادلہ کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے۔ اہل شہر سے جا کر جہاز رانوں نے کہا کہ تم ہمیں شراب فراہم کر دو ہم اس کے بدلے ایک کارآمد چیز دیتے ہیں۔

یہ کارآمد مال افریقہ کے سیاہ فام انسان تھے جنہیں سر سے لے کر پاؤں تک لوہے کی جالیوں میں جکڑ کر رکھا گیا تھا بیس انسانی وجود کا سودا ہوا۔ جہاز کے عملے کو چند بوتلیں شراب کی مل گئیں۔ یہ امریکہ میں غلاموں کی خرید و فروخت کی ابتدا تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک اس صنعت میں جو ترقی ہوئی ان کا حال راوی لکھتا ہے۔

افریقہ کے براعظم سے مرد، عورتیں بچے اس طرح لائے جاتے جس طرح جنگلوں سے بھیڑ اور لومڑیاں لائی جائیں۔ ان پر طب کے تجربات کئے جاتے تھے۔ ایک تندرست اور زندہ انسان کا گردہ کیسا ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا ہو تو ایک افریقی کو کھڑے کھڑے چیر دیا جاتا۔

ضرورت تھی کہ سمندر سے گھڑیال کو زندہ پکڑا جائے۔ بحری شکار کے کانٹے میں افریقی انسان کا نوزائیدہ بچہ زندہ حالت میں پھنسا کر سمندر میں ڈال جاتا جس سے اچھے قسم کی مچھلیاں اور گھڑیال شکار ہوتے۔

کاغذ کی جگہ انسان کی کھال کو استعمال کیا جاتے تو کیسا رہے گا؟ یہ بات ذہن میں آتے ہی چند افریقی باشندوں کی کھال کھینچ لی گئی ان کو خشک کیا گیا۔ ان پر دستاویز تیار ہوئیں۔ جو آج بھی ہارورڈ یونیورسٹی کی پبلک لائبریری میں موجود ہیں۔

زہر کے اثرات انسانی جسم پر کس طرح مرتب ہوتے ہیں۔ کس زہر سے کتنی دیر میں ایک آدمی مرتا ہے۔ اس کا تجربہ انہی افریقی غلاموں پر کیا گیا۔

سانپ کتنی قسم کے ہیں۔ اور کس سانپ کے کاٹے کا علاج ہے اور کس کا نہیں۔ اس کا تجربہ بارہا انہی سیاہ فام انسانوں پر کیا جاتا رہا۔

یہ تو افریقہ کے براعظم سے پکڑے ہوئے انسانوں پران "رحم دل اقوام" کا برتاؤ تھا اور صدی ڈیڑھ صدی پہلے کی کہانی ہے۔ اس صدی کے شروع میں جب دانش وران فرنگ ملایو۔ سوماٹرہ (موجودہ مالنیشیا) پر قابض تھے، اس قوم کی دولت خام ربڑ پر قابض تھے۔ ان میں اگر کوئی شخص (اپنی قومی ملکیت میں سے) ربڑ چرا لیتا تو اس کی سزا موت تھی۔ یہاں تک کہ صرف ربڑ کے لئے اہل وطن کو سرعام پھانسی دی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور آخر میں ان آگے آگے چلنے والے اور پیچھے پیچھے بھاگنے والے یہودی رحم دلوں کا حال سنئے :۔

۱۹۴۸ء میں حیفا کے فوجی اڈے پر یہودی جرنلس اور کیپٹنس جمع ہیں۔ شراب اور جوئے کا دور چل رہا ہے۔ ایک منچلے جرنیل کو ایک انوکھی تفریح اور نئے قسم کے جوئے کی قسم سوجھتی ہے۔

عرب قیدیوں میں سے تین حاملہ عورتیں لائی جاتی ہیں۔ فوجی حکام شرط بدتے ہیں۔ ایک کہتا ہے اس عورت کے شکم میں جو بچہ ہے وہ نر ہے۔ دوسرا کہتا ہے نہیں یہ مادہ ہے۔ اچھا شرط ہو جائے۔ پانچ پانچ ڈالر کی۔ سنگین کی نوک سے اس کا پیٹ چیرا جاتا ہے۔ شرط جیتنے والا پانچ ڈالر لیتا ہے۔ قہقہہ گونجتا ہے۔ پھر دوسری عورت لائی جاتی ہے اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا ہے۔ تیسری عورت کی جب باری آتی ہے تو یہ بہادر جرنیل فرماتے ہیں ابھی اس کا بچہ اتنا تیار نہیں ہوا ہوگا کہ نر اور مادہ کا پتہ چل سکے۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں تو اسی پہ شرط ہو جائے کہ اس نوعمر لڑکی کا حمل کتنا پرورش پا چکا ہے۔

شاید ان تصویروں کے بعد انسانوں کے غم خوار اور انسانیت کے ہمدرد اور جانوروں تک پر رحم کھانے والے افراد کا اصلی روپ پہچاننے میں آپ کو دیر نہیں لگی ہوگی۔ ان کے یہ حلئے دیکھئے اور ان کی جرأت دیکھئے کہ اسلام کے نظام قصاص پر معترض ہیں کہتے ہیں کہ اسلام نے غلام نہیں غلامی کی پرورش کی۔ اس ادارہ INSTITUTION کو باقی رکھا۔ لہذا بڑا ظالم مذہب ہے۔

ہاں کتنا ظالم! جو غلام اور آقا کے لئے ایک ہی لفظ 'مولی' تجویز کرے! کتنا ظالم کہ جس کا خلیفہ اور امیر (عمر فاروقؓ) بلال حبشیؓ کو 'سیدنا' کہہ کر مخاطب کرے۔ کتنا ظالم کہ عبادت میں غلام و آقا کو شانہ بشانہ کھڑے ہونے کا حکم دے۔ کتنا ظالم کہ غلام بنانے کے تمام راستے (سوائے جہاد کے) مسدود کر دے۔ اور آزاد کرنے کے ان گنت طریقے سکھائے۔

بھلا اس کا مقابلہ ان سترھویں صدی اور بیسویں صدی کے مہذب مذاہب سے کیا جا سکتا ہے؟

<u>کتاب و سنت لازم و ملزوم ہیں</u> جن لوگوں کی نظر ملل و نحل اور علم کلام و عقائد اور تاریخ فرق پر ہے۔ وہ آسانی سے اس بات کو مان لیں گے کہ اسلام میں جتنے بدعتی فرقے پیدا ہوئے وہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا۔ خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا۔ اور ان کے مقابل کے فرقے نے کتاب کو محرّف بتا کر چھوڑا۔ اور صرف اپنے ائمہ کی سنت اور پیروی کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح معتزلہ نے قرآن کو بتاویل تسلیم کیا اور احادیث سے اعراض کیا۔ اور راہِ راست سے دور ہوئے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ تعارف بر تدوین حدیث صـ۹

© rasailojaraid.com